© rasailojaraid.com

مولانا ابوالکلام آزاد

بحیثیت ایک صاحب طرز انشا پرداز کے

از جناب رفیع انور صاحب ایم۔ اے

اس میں شبہ نہیں کہ مرزا غالب نے اردو نثر کو مسجع اور مقفیٰ عبارتوں کی پابندیوں سے آزاد کرکے اسے اظہار خیالات کا عام ذریعہ بننے کے قابل بنایا۔ مولوی محمد حسین آزاد کے قلم جادو رقم نے اسے نزاکت اور سادگی بخشی۔ مولوی نذیر احمد نے اسے سنجیدہ اور متین بننے کی کوشش کی۔ اور حالی و شبلی کی مساعی جمیلہ نے اسے یورپ کی مہذب اور شائستہ زبانوں کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا۔ لیکن ان تمام اہل قلم حضرات کی موجودگی کے باوجود اردوئے معلّٰی کسی اور کی آمد کی منتظر تھی تاکہ شہرت دوام اور قبول عام کا تاج اس کو پہنائے۔ اور ارض ادب کے ہر ذرہ پر اس کی قبولیت کے تخت بچھادے۔ اس نے ادب اردو کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی نقارے پر ایک ایسی زبردست چوٹ لگائی کہ شاطران کہنہ مشق کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور سب کی نگاہیں حیرت و استعجاب میں بے اختیار اس کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کے انداز گفتار کو کوئی سمجھا اور کوئی نہ سمجھا لیکن واہ واہ سب کرتے رہ گئے۔ اور بالآخر مولانا حسرت موہانی کو یہ کہنا پڑا ؎

سب ہو گئے چپ بس ایک حسرت   گویا ہیں ابوالکلام آزاد

مولانا ابوالکلام آزاد ان برگزیدہ نفوس میں سے ہیں جن کو ندرت ذوق و فکر کی قدرتی بخشائش کی فراوانی نے صف عام سے الگ اور مستثنیٰ قرار دیدیا ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس ذہانت و ذکاوت کا سحر قلم اور آتش بیان صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا تصانیف کے اعتبار سے بہت بدقسمت واقع ہوئے ہیں۔ سیاسی زندگی کی خود فروشیاں کچھ اس طرح ان کا احاطہ کئے رہتی ہیں کہ جو کچھ بھی لکھا جاتا تھا خواہ مذہبی ہو یا ادبی و سیاسی، پولیس آتی تھی اور سیاسی تصانیف کے انبار سمجھ کر بغیر کسی تامل کے اٹھا کر لے جاتی تھی۔ چنانچہ بہت تھوڑا مواد ہے جو دستبردِ حوادث سے بچ کر ہم تک پہنچا ہے۔ اس کے پیشِ نظر ہم مولانا کی ادبی زندگی کو تین مختلف دوروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) پہلا دور ۱۹۱۲ء تک یعنی اجرائے الہلال کے زمانہ تک۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ مولانا "الندوۃ" اور "وکیل" وغیرہ کے ایڈیٹر تھے۔ اس زمانے کی تصانیف ان رسالوں کے فائل ہیں یا پھر "حیاتِ سرمد" ہے۔ جو آپ نے اٹھارہ برس کی عمر میں لکھی تھی۔ اس کے متعلق خواجہ حسن نظامی کا یہ فقرہ بہت مشہور ہے "باعتبار ظاہر اردو زبان میں اس سے اعلیٰ اور شاندار الفاظ آجکل کوئی جمع نہیں کر سکتا۔ اور باعتبار معانی یہ سرمد کی زندگی اور موت کی بحث نہیں معلوم ہوتی بلکہ مقامات درویشی پر ایک مستانہ اور البیلا خطبہ ہے" دراصل یہ ایک قسم کا ابتدائی اور آئندہ کی تیاری کا زمانہ تھا جسے ہم صحیح معنوں میں ان کی ادبی زندگی کا کوئی خاص دور نہیں کہہ سکتے۔ تاہم اس دور کی انشار پردازی صاف غمازی کر رہی ہے کہ جس قلم کی یہ گلکاریاں ہیں وہ آئندہ چل کر کیا کچھ ہونے والا ہے۔ اور اس کا اسلوب بیان اور انداز تحریر کس قسم کا ہوگا؟

(۲) دوسرا دور ۱۹۱۲ء سے لے کر ۱۹۲۲ء تک یعنی الہلال کے اجرا سے لے کر آپ کے علی پور جیل میں چلے جانے تک۔ اس زمانے کی یادگار "الہلال" اور "البلاغ" کی مجلدات، تذکرہ۔ قولِ فیصل یعنی وہ بیان جو آپ نے علی پور جیل میں جاتے وقت عدالت میں دیا تھا اور ایک کتاب "مسئلہ خلافت اور جزیرہ عرب" ہیں۔ یہی وہ دور ہے جہاں آکر ابوالکلام اپنی بے پناہ ادب آفرینی اور تبحر علمی کی بدولت ایک ہی وقت میں اردو زبان کے حریف شکن ادیب۔ اسلامی ہند کے امام اور ہندوستان کے سر برآوردہ لیڈر بن گئے۔

(۳) تیسرا دور ۱۹۲۳ء سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور کی یادگار الہلال ۱۹۲۷ء اور ترجمان القرآن ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اگر بارِ خاطر نہ ہو تو رام گڑھ کانگریس کے خطبۂ صدارت کو بھی اس میں شامل کر لیجئے۔ کہ اگر سیاسی اختلافات سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو اردو ادب کا بہترین سرمایہ ہے اور عطف و اضافت کے بغیر ہلکی پھلکی زبان میں اردو کا بہترین نمونہ ہے ۔

کسیکہ محرمِ بادِ صبا است می داند   کہ باوجود خزاں بوئے یاسمن باقیست

ان کی ادبی زندگی کے پہلے دور کی نسبت دوسرا اور تیسرا دور زیادہ واضح اور ابھرے ہوئے ہیں۔ دوسرے دور میں مولانا کی تحریروں میں عربی کے بھاری بھرکم الفاظ کی کثرت اور اسلوب بیان میں خطیبانہ جوش ہے۔ عطف و اضافت کا التزام اور عربی و فارسی کی نادر اور پرشکوہ تراکیب بہت ہیں لیکن تیسرے دور میں زبان حتی الوسع سہل اور صاف اختیار کی گئی ہے۔ اور دوسرے دور کا مشکل اور دیر فہم اسلوب بیان ترک کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ دور الہلال میں ان کے مخاطب رہنمایانِ قوم اور علما تھے اور اب جبکہ ان کا تخاطب عام ہندوستانیوں سے ہونے لگا تو ان کا بیان حد درجہ سلیس اور سادہ ہو گیا۔ چنانچہ مولانا کا ترجمان القرآن اس کی ایک روشن مثال ہے۔ اس میں عربیت نام کو بھی نہیں۔ اور روانی، سادگی اور صفائی کا یہ عالم ہے کہ ہر شخص اس کو بآسانی سمجھ سکتا ہے اور اس کا منشا بھی یہی تھا۔ چنانچہ سلاست زبان کے متعلق دیباچے میں خود لکھتے ہیں "میں نے ترجمان القرآن کی زبان کے متعلق ایک شخص پر تجربہ کیا۔ وہ اردو کے تعلیمی رسائل بآسانی پڑھ لیتا ہے۔ میں نے اسے سورہ بقر کا مجرد ترجمہ پڑھنے کو دیا وہ تین جگہ تین فارسی لفظوں پر اٹکا۔ لیکن مطلب سمجھنے میں اسے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ میں نے وہ الفاظ بدل کر نسبتاً زیادہ سہل الفاظ رکھ دیئے" اس دور میں ان کا قلم عربی فارسی کی نادر اور پرشکوہ تراکیب سے ہمیشہ پہلو بچا کر چلتا ہے اور اس میں دوسرے دور کا سا زور اور جوش نہیں ہے۔ تاہم فقروں کی نشست و برخاست اور اسلوب کی ندرت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ فقروں کی ساخت صاف غمازی کر رہی ہے کہ اسی ابوالکلام کے قلم کی گلکاریاں ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوشش   من انداز قدرت را می شناسم

مولانا ابوالکلام کی نثر کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہت مربوط ہوتی ہے ایک ایک لفظ اپنی جگہ پہاڑ کی سی مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہوتا ہے اور اگر ایک لفظ بھی ادھر ادھر ہو جائے تو ساری فصاحت خاک میں مل جائے۔ بڑے بڑے انشا پردازوں کی تحریروں میں حذف و اضافہ اور تغیر و تبدل سے بعض اوقات بہت کچھ حسن و خوبی پیدا کی جا سکتی ہے۔ لیکن یہاں جملوں کی ساخت اور الفاظ کی نشست و برخاست ہی کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ ردوبدل سے سوائے قباحت اور بدنمائی کے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ یہاں مبتدا۔ خبر۔ فعل اور متعلقات فعل میں ایک خاص ربط اور ہم آہنگی ہوتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ وہ اس درجہ بلند ہو کر لکھتے ہیں کہ مزید حسن و خوبی کی مطلق گنجائش نہیں چھوڑتے ان کی طرز نگارش کی ایک خوبی یہ ہے کہ پڑھتے وقت دماغ پر گراں نہیں گزرتی۔ کتنے مشکل سے مشکل الفاظ و تراکیب ہوں وہ ان کے امتزاج سے کچھ اس طرح ترنم اور خوش آہنگی پیدا کرتے ہیں کہ زبان لطافت محسوس کرتی ہے اور دماغ پر کیف و مستی کی بارش ہونے لگتی ہے۔ وہی مشکل الفاظ و تراکیب اگر کوئی اور شخص استعمال کرتا ہے تو بسا اوقات طبیعت پر گراں گذرتی ہیں۔ لیکن یہاں وہ کچھ اس ربط و نظم سے آتے ہیں کہ مشکل سے مشکل الفاظ بھی آسان معلوم ہوتے ہیں۔ شاید نیاز فتحپوری نے اسی چیز کو دیکھ کر مولانا کو لکھا تھا "آپ کا لب و لہجہ آپ کا انداز بیان واللہ مجھ سے تو وداع جان چاہتا ہے۔ اگر آپ کی زبان میں مجھے کوئی گالیاں دے تو میں اس کو ہر وقت چھیڑا کروں کہ ع

کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں

ان کی ترکیبیں اس قدر مترنم اور شگفتہ ہوتی ہیں کہ جو لوگ ان کا مطلب نہیں سمجھتے وہ ان کے صوتی حسن سے لطف اٹھاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ نثر نہیں لکھتے بلکہ نثر میں شاعری کرتے ہیں اور ان کا ایک ایک فقرہ مصری کی ڈلی اور شہد کا گھونٹ معلوم ہوتا ہے۔ بعض اوقات نہایت طویل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جملے بھی لکھ جاتے ہیں مگر پرکیف ترنم کی وجہ سے یہ طوالت نہ بار سماعت ہوتی ہے اور نہ ناگوار خاطر۔ فصاحت وبلاغت، لطافت ونزاکت، ترنم وروانی، الغرض وہ کونسا حسن ہے جو اس لیلیٰ معنی میں نہیں، اور وہ کونسا نغمہ ہے جو اس بربط کے تاروں میں پوشیدہ نہیں ہے ؎

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لب اعجاز پر محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

اسی چیز سے متاثر ہو کر مولانا حسرت موہانی چلا اٹھے تھے کہ ؎

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر نظمِ حسرت میں کچھ مزا نہ رہا

مثلاً مقام خلوت وانزوا کی کیفیتوں اور انجمن درخلوت کی خود رفتگیوں کا عالم کچھ اس طرح طاری ہوا کہ دنیا جہان کی ساری صحبتوں اور انجمنوں سے دل بے پروا ہو گیا۔ علی الخصوص عشرۂ آخر کی شب ہائے تمنا اور روزہائے انتظار کی بخششوں اور کامرانیوں سے دل نے جو جو سعادتیں پائیں اور چشم وگوش نے لطفِ دید وذوقِ سماع کی جو دولتیں لوٹیں نہ دنیا کی کوئی زبان ان کی ترجمانی کر سکتی ہے۔ نہ سامعہ استعدادِ سماع رکھتا ہے۔ حق وباطل کا فیصلہ نہ صلیبیوں کی تلواریں کر سکتی ہیں نہ مجاہدین کی شمشیریں۔ حق وباطل کا فیصلہ نہ پادریوں کے کارخانوں سے ہو سکتا ہے نہ پیشوایانِ دین کے خود ساختہ دعووں اور مرعوب کن دلیلوں سے۔ نام نہاد علم ودانش کی روشن خیالیاں اور مقدس جمود وتقلید کی راسخ الاعتقادیاں یہ تمام چیزیں محض ایک غوغا ہیں۔ جو علم وحق کا ہیبت نعرہ بلند ہوتے ہی سکونِ موت میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس وقت عقلِ صادق کا سلطانِ عظیم نورانی تاجِ علم سر پر رکھے حریت کے پرچم اڑاتا جلالِ ربانی کے ساتھ نمودار ہو گا۔ اور جہل وظلمت کے تمام بت سرنگوں ہو جائیں گے" پہاڑ کی غار میں آتشیں شریعت کا ایک شرارا اڑا اور دفعتہً خرمنِ جہل وضلالت پر برقِ خاطف بن کر گرا۔

سبحان اللہ! جس کے عشق میں چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں پہن لی تھیں اسی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آگے جبینِ نیاز جھکی ہوئی! اسی کے ذکر میں قلب ولسان لذت یاب تسبیح وتحمید! اسی کے جلوۂ جمال میں چشمِ شوق وقف نظارہ ودید! اور اسی کی یاد میں روح مضطر محو وسرشارِ عشق وخود فراموشی! جس طرف نظر اٹھائی ایک صنم آبادِ الفت وپرستش نظر آیا جس میں مندروں اور مورتیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہر مندر جبینِ نیاز کا طالب، ہر مورتی دلفروشی وجاں سپاری کے لئے وبال ہوش۔ ہر جلوہ برق تمکین واختیار، ہر نگاہ بلائے صبر وقرار۔"

اللہ اللہ! دولت سعادت وقبولیت کی فراوانی اور سبحان اللہ بخشش ولطفِ غیبی کی بے پایانی سمندر اس کی وسعتِ فیض کا ایک قطرہ مگر یہ بھی گستاخی ہے۔ سورج اس کے انوار کرم کی ایک شعاع مگر یہ بھی نادانی ہے"!

وہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو اپنے مخصوص انداز میں کمال صحت وروانی کے ساتھ لکھتے ہیں اور واقعات کی تفصیل، خیالات کے ہجوم اور مسائل کی نزاکت سے قطعاً نہیں گھبراتے۔ جب کوئی مصنف خیالات کے ہجوم سے پریشان ہوجاتا ہے تو اس کی تحریریں ربط وتسلسل نہیں رہتا۔ لیکن مولانا کی تحریریں شروع سے لیکر آخر تک پڑھ جایئے ان کے توسن قلم کی جولانیوں میں کہیں فرق نہیں آنے پاتا۔ آخر تک وہی ربط، وہی ترتیب ونظم کا وقار اور اندازِ مخصوص کی وہی رنگینیاں بدستور چلی جاتی ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ آپ کی تمام تحریریں عموماً قلم برداشتہ ہوتی ہیں۔ تذکرہ کمال بے توجہی اور بے سروسامانی کی حالت میں قلم برداشتہ لکھا گیا تھا۔ ہمارے بڑے بڑے انشا پرداز اس طرح شاید ایک خط بھی نہ لکھ سکیں چہ جائیکہ اردو ادب کا پانچ چھ سو صفحات کا ایک شاہکار مرتب ہو۔ الہلال میں بڑے بڑے معرکہ آرا مضامین نکلتے رہے ہیں اور وہ سب کے سب عموماً قلم برداشتہ ہوتے تھے لیکن کیا مجال جو طرز نگارش کی دلکشی اور دلربائی میں ذرا فرق آنے پائے۔ یا ان کے قلم سے کوئی ادبی گناہ سرزد ہو جائے۔ مولانا کی تحریروں میں شروع سے آخر تک کوئی سبک اور رکیک لفظ نہیں ملیگا۔ باوجودیکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساری زندگی سیاسی جھمیلوں میں گذری لیکن کیا مجال جو ذاتی اغراض اور جماعتی تعصبات آپ کو سوقیانہ اور رکیک الفاظ کے استعمال پر مجبور کر سکیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی ساری زندگی ہی جماعتی تعصبات سے بہت زیادہ بلند ہے چہ جائیکہ لکھتے وقت ابتذال اور سوقیت میں پناہ گزیں ہوں۔

مولانا ابو الکلام کے دماغ میں معلوم نہیں حسین و موزوں الفاظ کے کتنے خزانے پوشیدہ ہیں کہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتے۔ بعض انشاء پرداز ہلکے پھلکے ادبی مضامین اکثر نہایت خوبصورت اور دلفریب انداز میں لکھ لیتے ہیں لیکن علمی یا فلسفیانہ مضامین الفاظ کی تزئین و آرائش کو برقرار رکھتے ہوئے بوجوہ احسن ادا نہیں کر سکتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مضمون اپنی اصلی بلندیوں سے نیچے گر جاتا ہے اور اس میں اثر و نفوذ کی قوت باقی نہیں رہتی۔ لیکن مولانا کی تحریروں میں موضوع کی اہمیت اور نفسیاتی عظمت کے اعتبار سے آپ کو مخصوص اور خوبصورت سے خوبصورت الفاظ ملیں گے۔ وہ خشک سے خشک موضوع میں بھی شوکتِ بیان اور رنگینیٔ تحریر ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ خود الہلال ستمبر ۱۹۱۲ء میں ایک مضمون "الحرب" کے ماتحت لکھتے ہیں "بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ فلسفیانہ مضامین وہی ہوسکتے ہیں جن کی عبارت نہایت روکھی پھیکی اور بے مزہ ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اسے فلسفیانہ استدلال و نظر سے بالکل خالی سمجھنا چاہیے۔ مگر ہمارے خیال میں یہ قلبی پست ہمتی کم از کم ان لوگوں کے لئے تو جائز نہیں رکھی جا سکتی جنھیں خدا تعالیٰ نے اپنے ہر طرح کے افکار کو بہتر لفظوں اور موثر فصاحت کے ساتھ بیان کرنے کی قدرت دے دی ہے . . . . جو دقیق سے دقیق خشک مطالب کو بھی حسن و عشق کی دلچسپ داستان بنا دے سکتے ہیں۔"

اور پھر اس میں بھی شک نہیں کہ مشرقیت ان کے اسلوب کا جامہ پہن کر انشائے مغرب کے بہترین نمونوں کو خاک بسر کرتی نظر آتی ہے۔ عربی و فارسی کے ذخیرے سے نہایت دلکش الفاظ چنتے ہیں۔ اور انھیں نہایت ترتیب سے سجاتے ہیں۔ تشبیہات و استعارات عربی و عجمی انداز کے لاتے ہیں مگر بزم اردو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نہایت خوبصورتی سے ترتیب دیتے ہیں۔ انھوں نے اردو میں ادائے مطالب کے واسطے نئی نئی راہیں کھولیں۔ علمی مضامین کو ادا کرنے کے واسطے نئی نئی مصطلحات وضع کیں۔ جن میں سے بیشتر ہماری زبان کا جزو لاینفک بن گئی ہیں۔

ایک مرتبہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے ساتھ اس مسئلہ پر بحث چھڑ گئی کہ انگریزی کے الفاظ (Pleasure) اور (Pain) کا ترجمہ "حظ و کرب" ہونا چاہیے یا لذت والم۔ عبدالماجد صاحب کو حظ و کرب کی صحت پر اصرار تھا اور مولانا کہتے تھے کہ اس موقع کے لئے لذت والم جامع اور بلیغ الفاظ ہیں۔ اس بحث نے مولانا کی طبیعت کا رخ وضع اصطلاحات کی جانب پھیر دیا لیکن افسوس سیاسی گتھیوں نے مولانا کا دامن جلد ہی اپنی جانب کھینچ لیا۔ اور یہ کام ادھورا ہی رہ گیا۔ گو خالص ادبی چیزیں بہت کم ہیں۔ اور ان کی توجہ زیادہ تر سیاسی اور مذہبی لٹریچر کی طرف مبذول رہی خالص ادبی چیزیں دیوان غالب پر ایک نظر کے متفرق اجزا جو الہلال میں چھپے تھے۔ اور پھر حضرت اصغر گونڈوی کی کتاب "سرود زندگی" پر ایک مختصر سی تقریظ ہے۔ سر تیج بہادر سپرو جنھوں نے سرود زندگی کا دیباچہ سپرد قلم فرمایا ہے حضرت اصغر کی بلندی مرتبت اور ان کے کلام کی مقبولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "علامہ سر اقبال نے اپنی پرائیویٹ چٹھیوں میں ان کے کلام کی تعریف کی ہے۔ اور اس میں "جدت و تاثیر" کے قائل ہیں اور اسے اردو ادب میں ایک قابل قدر اضافہ فرمایا ہے۔ اور سب سے آخری اور شاید سب سے بڑا ثبوت ایک ایسی ہستی کا تاثر ہے جس کی جامعیت اور جس کے ادبی کمالات کا اعتراف صرف ہندوستان نہیں بلکہ ہندوستان کے باہر بھی کیا جاتا ہے وہ ذات گرامی مولانا ابوالکلام آزاد کی ہے"

کامیاب انشا پرداز وہی ہو سکتا ہے جسے الفاظ کے استعمال کا زاید سے زاید سلیقہ ہو کیونکہ الفاظ بجائے خود اتنے فصیح اور غیر فصیح نہیں جتنا ان کا محل استعمال اور ان کی نشست و برخاست ان کو بنا دیتی ہے۔ مولانا ابوالکلام میں یہ صفت بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ وہ الفاظ سے نہیں بلکہ ان کی سطح ک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقف ہوتے ہیں اور لکھتے وقت ان کی نظر ہمیشہ الفاظ کے مخارج و مبدا پر رہتی ہے۔ مولانا عبدالماجد صاحب سے بحث کے سلسلہ میں انھوں نے مختلف الفاظ کے مخارج و مبدا کو جس طرح پیش کیا تھا اس سے ایک معمولی سا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی عقابی نظر کن کن گہرائیوں تک پہنچتی ہے اور ان کا ادبی ذوق غلط الفاظ کے استعمال سے کس طرح ابا کرتا ہے۔

انشا پردازی کا ایک اور کمال یہ ہوتا ہے کہ موضوعِ زیرِ بحث کا کوئی پہلو تشنۂ تکمیل نہ رہ جائے صرف الفاظ کی رنگینی اور تراکیب کی ندرت سے ہی کام نہ لیا جائے بلکہ مستحکم اور قاطع و ساطع دلائل و براہین لائے جائیں تاکہ پڑھنے والے کے ذہن میں شک وشبہ کے واسطے کوئی گنجائش نہ رہے۔ مولانا ابوالکلام اس صنف میں بھی قادر الکلام ہیں۔ وہ موضوعِ زیرِ بحث کو پہلے اس طرح پھیلا دیتے ہیں کہ اس کا ہر پہلو قارئین کے سامنے نمایاں ہو جائے۔ پھر ہر بات کو جی کھول کر بیان کرتے ہیں۔ اور تمام مباحث کو ایک ایک کرکے سمیٹتے جاتے ہیں۔ شوکتِ الفاظ اور ندرتِ تراکیب کے ساتھ ساتھ اس طرح کے قوی اور مضبوط دلائل لاتے ہیں کہ ہر بات قاری کے دل میں اترتی جاتی ہے اور آخر تک پہنچتے پہنچتے اس کے دماغ میں شک وشبہ کی مطلق گنجائش نہیں چھوڑتے۔ سنگلاخ سے سنگلاخ وادی میں ان کے قلم کی رنگینی کو لغزش نہیں ہوتی ہے نہ دلائل کی مضبوطی میں فرق آتا ہے۔ مولانا کی تحریروں میں ایک واضح خوبی جوش و تاثیر ہے اور سہ

این سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اور یہ نتیجہ ہے اس خلوص کا جس سے مولانا کی تمام تحریریں مملو ہیں۔ یعنی جو کچھ وہ لکھتے ہیں وہ ان کے دل کی آواز ہوتی ہے اور سہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے　　پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

دوسرے وہ اسے کامل یقین اور اعتماد کے ساتھ لکھتے ہیں اس لئے ان کا ایک ایک لفظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جوش واثر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ جوش اور تاثیر کا عنصر ان کے یہاں اس کثرت اور شان سے آتا ہے، کہ ان کے اسلوبِ بیان میں ایک خاص دلکشی اور امتیازی خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ واقعات کی تصویر بھی آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں اور اس طرح فن انشا و ادب میں ان کی تحریر کی ڈرامہ کی سی حیثیت ہو جاتی ہے۔ ہر لفظ، فقرہ یا خیال ایک ایکٹر معلوم ہوتا ہے جس میں قوت بھی ہے، حرکت بھی۔ مثلاً اگر وہ کسی بزم کا ذکر کریں گے تو ایسا معلوم ہو گا کہ محفل عیش و نشاط منعقد ہے اور سامعہ و باصرہ اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ اگر رزم کی طرف آئیں گے تو ایسا معلوم ہو گا کہ مجاہدین کی تلواریں بے نیام ہیں اور ہر ایک مجاہد بڑھ بڑھ کر دادِ شجاعت دے رہا ہے گو کسی حد تک مبالغہ کو بھی اس میں دخل ہوتا ہو گا لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ بسا اوقات مبالغہ ہی اس کا حسن بن جاتا ہے اور بجائے اس کے کہ یہ طبیعت پر گراں گذرے دل چاہتا ہے کہ کچھ اور ہو۔

(باقی آئندہ)

مولانا عبید اللہ سندھی

حالات تعلیمات اور سیاسی افکار

از پروفیسر محمد سرور

عدیم النظیر دل و دماغ۔ اتھاہ ایمان غیر معمولی ثبات واستقلال اور پیہم جد و جہد۔ یہ ہے مولانا عبید اللہ سندھی کی شخصیت۔ سرتاپا انقلاب اور انقلاب آفریں، یہ کتاب مرقع ہے اس نادر و بے مثال شخصیت اور اس کے نصف صدی سے زیادہ کے سیاسی تجربات کا۔ قیمت للعہ ر

ملنے کا پتہ:- منیجر مکتبہ برہان قرول باغ دہلی

© rasailojaraid.com